جنیٹک سائنس سے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حل

مولانا اختر امام عادل

نکاح سے قبل زوجین کا جنیٹک DNA ٹسٹ:

آج بہت سے ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں نکاح سے قبل زوجین کے جنیٹک ٹسٹ کا رواج ہو رہا ہے، اور اس کا مقصد خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے پیش بندی کرنا ہے، اس ٹسٹ کے ذریعہ بہت سی موروثی بیماریوں کا پتہ چلتا ہے، جو کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں، سائنس دانوں کے دعوی کے مطابق ۱۹۹۸ء تک تقریبا آٹھ ہزار موروثی بیماریوں کا اس کے ذریعہ پتہ چلا ہے، اور یہ بیماریاں بہت سی اس قسم کی ہیں جو عام زندگی میں اس وقت تک محسوس نہیں ہوتیں جب تک کہ خاندان کے کسی فرد میں ظاہر نہ ہو جائیں، اور تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ بہت سی بیماریاں نسلوں تک ظاہر نہیں ہوتیں، یا خاندان کے ہر فرد میں ظاہر نہیں ہوتیں، لیکن جس جین کے باعث وہ بیماریاں جنم لیتی ہیں، اگر اسی خاندان میں اس جین کے حامل شخص کی شادی کر دی جائے تو دونوں کے جین سے ان کی ذریت میں خطرناک امراض پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن اگر اس شخص کی شادی کسی دوسرے خاندان میں کی جائے جس میں وہ جین نہیں ہے تو دونوں کی پوری نسل عام حالات میں ان بیماریوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

انہی وجوہات کے پیش نظر بہت سے ملکوں کے محکمہ صحت نے بھی اس جانب خصوصی توجہ کی ہے، اور شادی سے قبل صحت کا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی زوجین کو ہدایت دی ہے، اس ٹسٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بارآور ہوگی یا نہیں؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زوجین میں تولیدی جراثیم ہونے کے باوجود کسی جین کے نہ ہونے یا کسی جین کے اتصال کی بنا پر عورت بانجھ پن کا شکار ہو جاتی ہے، اسی طرح بہت سے متعدی اور جنسی امراض کا بھی پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اگلی نسل میں جو بچے پیدا ہوں گے وہ پیدائشی نقائص کے حامل ہوں گے یا نہیں؟ اگر اس قسم کی تحقیقات بآسانی ہو سکتی ہوں اور ازدواجی زندگی کے لئے ان کی بنا پر تحفظات حاصل ہوتے ہوں تو شرعی نقطہ نظر سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، شریعت اسلامیہ نکاح سے قبل ممکنہ تحقیق وتفتیش سے نہیں روکتی، بلکہ حتی الامکان اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

ایک موقع پر ایک صحابی نے کسی انصاری لڑکی سے اپنی شادی کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے مشورہ چاہا، تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے انصاری لڑکیوں کی ایک خاص چیز کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد

فرمایا:''فانظر الیها فان فی اعین الانصار شیئاً

انصاری عورتوں کی آنکھ میں ایک خاص بات ہوتی ہے (جوضروری نہیں کہ ہرایک کو پسند آئے) اس لئے ایک نظرلڑکی کو دیکھ لو۔ (مشکوۃ شریف کتاب النکاح/۲۶۸)۔

ایک روایت جواپنے الفاظ کے لحاظ سے ضعیف ہے مگراس کے معنی صحیح ہیں، اس میں نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا ''تخیروا لنطفکم (اپنے نطفہ کے لئے انتخاب کرو)۔ (بحوالہ الوراثۃ والھندسۃ الوراثیۃ والجینوم البشری ،والعلاج الجینی ،الدکتور علامہ زحیلی /۷۸۱).

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان عالی کو بھی اس پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے، جس میں رسول اکرم ﷺ نے ایسے مواقع سے بچنے کے لئے ہدایت فرمائی ہے جن میں اولاد کمزور پیدا ہو، آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

''لاتنکحوا القرابة القریبة فان الولد یخلق ضاویلا (قریب ترین رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو، اس لئے کہ اس سے اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے)۔(النھایة فی غریب الحدیث والاثر للامام مجدالدین بن الاثیر مادة ۱۰۶/۳ ،ھامش الاخیار ۴۲/۲ ،المغنی عن حمل الاسفار لزین الدین ابی الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی بھامش الاخیار ۴۲/۲).

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

''اغتربوا لاتضرروا،،(اجنبیوں میں نکاح کرو! اپنی اولاد کو کمزور نہ بناؤ)۔(الفائق فی غریب الحدیث للعلامہ جاراللہ الزمخشری مادہ رضوی ۳۵۰/۲ ،النھایة فی غریب الحدیث والشھر مادہ ضوی ۱۰۶/۲).

یہی مشورہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھی بنی سائب کو دیا تھا جب ان کی نسلوں کو کمزور دیکھا، جینیٹک سائنس نے آج اس روایت کو برحق ثابت کیا ہے، اور حضور ﷺ نے ازراہ ارشاد جو ہدایت فرمائی ہے اس کی واقعیت سامنے آگئی ہے، ان روایات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نکاح سے قبل تحقیق حال کرلینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اگراس میں زوجین کو تھوڑی سی مضرت محسوس ہوتی ہو تو اس کو پوری نسل کے اجتماعی تحفظ کے لئے گوارا کرنا چاہئے، الا یہ کہ اس کے اخراجات ناقابل برداشت ہوں۔

الصوم لی وانا اجزی بہ ..... روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں

متعدد فقہی ضابطوں سے اس کی تائید ہوتی ہے:

۱۔ یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام (الاشباہ ۱/۲۸۰)۔

(ضرر عام کو دور کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارا کیا جائے گا)۔

۲۔ ''لو کان احدھما اعظم ضررا من الآخر فان الاشد یزال بالاخف،، (الاشباہ ۱/۲۸۳)۔

(اگر دو چیزوں میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑا ہو تو چھوٹا ضرر گوارا کر کے بھاری ضرر کو دور کیا جائے گا)۔

۳۔ ''اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما،، (الاشباہ ۱/۲۸۶)۔

(جب دو مفسدے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو ہلکے مفسدے کو قبول کر کے بڑے کے ضرر سے محفوظ رہنے کی کوشش کی جائے گی)۔

پھر جینیٹک تحقیقات سے اگر ثابت ہو جائے کہ یہ رشتہ نکاح طبی طور پر مناسب نہیں ہے، اور اس کے نقصانات زوجین یا ان کی اولاد کو پہنچیں گے تو ایسی صورت میں اس رشتہ نکاح سے گریز کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ رپورٹ قابل اعتماد ذرائع سے آئی ہو، اور اس میں ان شرائط و قیود کو ملحوظ رکھا گیا ہو جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے، قرآن و حدیث میں مواقع خطرہ ضرر سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ،، (سورۂ بقرہ:۱۹۵)۔

(اور اپنے ہاتھ ہلاکت میں مت ڈالو)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جذام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''اذا وقع الجذام بارض فلا تخرجوا منھا وان سمعتم بہ فی ارض فلا تدخلوھا،، (ڈاکٹر زحیلی کا مقالہ: ص ۷۸۰)۔

(اگر کسی مقام پر جذام پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو، اور اگر کسی مقام کے بارے میں جذام کی خبر سنو تو وہاں مت داخل ہو)۔

اس تفصیل کی روشنی میں اس ضمن میں ہونے والے سوالات کے جوابات معلوم ہو سکتے ہیں:

(الف) مثلاً نکاح سے قبل جینیٹک ٹسٹ اس مقصد سے کروانا کہ دوسرا فریق کسی موروثی بیماری میں مبتلا ہے، یا قوت تولید سے محروم ہے، درست ہے، اور اس رپورٹ پر عمل کرنا واجب ہے، بشرطیکہ رپورٹ کے حصول میں تمام مطلوبہ شرائط و قیود کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو۔

ب۔البتہ اگر یہ تحقیقات نکاح کے بعد حالت حمل میں کرائی جائیں اور ثابت ہوجائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہوگا (واضح رہے کہ جینیٹک ٹسٹ میں یہ تحقیق تین ماہ سے بھی پہلے ہوسکتی ہے) تو ایسی صورت میں اسقاط حمل کے تعلق سے فقہاء کے یہاں اختلاف ہے۔

مالکیہ کے نزدیک استقرار حمل کے بعد اسقاط حمل کی قطعی گنجائش نہیں ہے، شافعیہ اور حنابلہ نے عذر کی بناپر چالیس یوم سے قبل اسقاط کی اجازت دی ہے، البتہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہ مدت بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصد نفخ روح اور تصویر اعضاء ہے، اور یہ مدت سے قبل پورا ہوجائے تو بھی حکم میں کوئی فرق نہ آئے گا (ردالمحتار ۲/۴۱۲)

چار ماہ کے بعد تمام فقہاء کے نزدیک اسقاط حمل حرام ہے، الا یہ کہ ایسی شدید ضرورت پیش آجائے جس میں ماں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوجائے (حاشیۃ الدسوقی ۴/۴۱۰، ہدایۃ المجتہد ۲/۲۴۸، نہایۃ المحتاج ۷/۲۶۰، ۳۶۴، حاشیہ ابن عابدین ۵/۴۱۰، ۴۱۳، فتح القدیر ۴/۱۵۳، المغنی لابن قدامہ کتاب الدیات ۸/۱۴۰)۔

رابطہ عالم اسلامی کے مجمع الفقہی الاسلامی نے اپنے بارہویں سمینار (منعقدہ ۱۵۔۲۲، ۱۴۱۰ھ، مطابق ۱۰ تا ۱۷ فروری ۱۹۹۰ بمقام مکہ مکرمہ) میں یہ تجویز منظور کی ہے کہ ایک سو بیس دن سے قبل اگر جینیٹک تحقیق سے ثابت ہوجائے جو ماہر اور قابل اعتماد ڈاکٹروں کی جانب سے کی گئی ہو، کہ بچہ ناقابل علاج بیماریوں کا حامل ہے یا ناقص الخلقت ہے، اور اگر حمل کو چھوڑ دیا جائے، اور اپنے وقت پر بچہ پیدا ہو تو بچہ کی پوری زندگی سخت مصائب وآلام میں گھری رہے گی، تو اس صورت میں اسقاط حمل کی گنجائش ہے (فتوی المجمع الفقهی لرابطة العالم الاسلامی الملحق کتاب الجنین المشوه، الاسباب والعلامات والاحکام، دار القلم ودار المنار جدة للدکتور محمد علی البار ۱۹۹۰ء)۔

فقہاء احناف نے جن اعذار کی بناپر اسقاط حمل کی اجازت دی ہے، ان میں ایک اہم عذر ولد سوء کا اندیشہ بھی ہے البتہ بچہ میں جان پڑنے کے بعد (جس کی زیادہ سے زیادہ مدت فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایک سو بیس دن ہے) اسقاط حمل کی بالکل گنجائش نہیں ہے، اگرچہ کہ معلوم ہو کہ بچہ ناقص الاعضاء یا شدید قسم کی جسمانی بیماریوں کا حامل ہے، اور اس کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہیں، اس لئے کہ متوقع خطرات کی بناپر زندہ جان کو ہلاک کرنا درست نہیں (ردالمحتار ۵/۳۰۵، ۲/۴۱۲، البحر الرائق ۸/۲۴۴، عالمگیری

۳۵/۶،بزازیہ ۳۸۵/۶،فتاوی خانیہ ۴۱۰/۳).

۳۔اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکان کی وجہ سے جنیٹک ٹسٹ کرانے اور سلسلہ تولید کو روک دینے کے سلسلے میں بعض فقہاء نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ سلسلہ تولید کو روکنے کا حق کس کو ہے؟ شوہر کو یا عورت کو یا حکومت کے محکمہ صحت کو؟ دراصل فقہی کتابوں میں یہ بحث عزل کی بحث کی ذیل میں آئی ہے،اور اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے:

حنفیہ کے نزدیک یہ والدین کا حق ہے،شافعیہ،حنابلہ اور جمہور علماء اس کو جماعت اور والدین کا مشترک حق مانتے ہیں،مگر والدین کا حق زیادہ قوی ہے،اصحاب الحدیث کے ایک طبقہ کی رائے میں جماعت کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔

وزارت اوقاف کویت کے ''لجنۃ الفتوی،،نے یہ فتوی صادر کیا ہے کہ اگر گورنمنٹ کسی شخص کے بارے میں جنیٹک رپورٹ کی بناپر سلسلہ تولید پر پابندی عائد کرے تو فقہی قواعد،رعایت المصالح،اور درء المفاسد کی روشنی میں متعلقہ شخص پر اس کی تعمیل لازم ہوگی(مجموعۃ الفتاوی الشرعیۃ ۳۰۸،۳۰۶/۲ کویت).

میرے خیال میں اگر کسی جگہ گورنمنٹ کی طرف سے یہ پابندی نہ بھی عائد ہو تو بھی ضبط تولید کے سلسلے میں فقہاء نے جو بحث کی ہے،اس کی روشنی میں اس شخص کو سلسلہ تولید سے رک جانا ضروری ہے،اس لئے کہ اسی میں اس کی نسل اور پوری جماعت کی فلاح مضمر ہے،فقہاء نے عزل کرنے کی اس وقت اجازت دی ہے جبکہ فساد زمان کی بناپر بری نسل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو،خواہ بیوی اس کے لئے راضی ہو یا نہ ہو(ردالمحتار ۴۱۲/۲،عالمگیری ۲۵۶/۵،خانیہ ۴۱۰/۳)۔

۴۔چار ماہ سے قبل جنین کی خلقی کمزوریوں کو جاننے کے لئے جنیٹک ٹسٹ کرانے کی گنجائش ہے،تاکہ جنین کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جاسکے،مگر چار ماہ کے بعد اس ٹسٹ کی حاجت نہیں رہ جاتی،الایہ کہ ماں کی زندگی کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا رحم مادر میں رہتے ہوئے بچے کی خلقی کمزوریوں کا علاج ممکن ہو،تو چار ماہ کے بعد بھی جنیٹک ٹسٹ کرانے کی اجازت ہوگی۔

۵۔سائنس"دانوں کا خیال ہے کہ جنیٹک ٹسٹ سے کسی شخص کے دماغی توازن یا عدم توازن کا پتہ بھی چلایا جاسکتا ہے،میرے خیال میں اس رپورٹ پر(اگر یہ حقیقت ہو تو)اعتماد کرتے ہوئے کسی کے جنون کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے،اور اس بناپر فسخ نکاح بھی کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جنیٹک ٹسٹ سے مختلف مراحل پر استفادہ کی گنجائش ہے۔

۔بشرطیکہ ہر قسم کی علمی وفنی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہو۔

۔مقصود جلب مصلحت اور دفع مضرت ہو، محض کسی ذوق وشوق کی تسکین نہ ہو۔

۔انہی تحقیقات پر پورا تکیہ نہ کرلیا جائے، بلکہ اصل اعتماد اور توکل اللہ پر ہونا چاہئے، اور ہر معاملہ اسی کے حوالہ کردینا چاہئے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، یہ احساس ایک مومن کو اندرونی اطمینان وسکون فراہم کرتا ہے، اس لئے کہ ہزار انسانی تدبیروں میں بھی ہر طرح کی احتیاط کے باوجود غلطی کا امکان موجود ہے۔

۔اسی طرح اسباب کو مؤثر بالذات نہ مان لیا جائے، اور نہ بیماریوں کے متعدی ہونے کا عقیدہ بنایا جائے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، کوئی چیز اپنے آپ کبھی نقصان نہیں پہنچاسکتی ہے، جب تک کہ اللہ کی مرضی نہ ہو، اور یہ اعتقاد تو ہر مومن کو ہونا چاہئے، جس کا ذکر ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام لوگ مل کر بھی تم کو کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچاسکتے، مگر اتنا جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے، اور اگر تمام لوگ مل کر تم کو نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچاسکتے مگر اسی قدر جس قدر کہ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کردیا ہے۔

جینی اسٹیم سیل کے ذریعہ علاج ومعالجہ کا شرعی حکم:

جنیٹک تحقیقات کے نتیجے میں سائنسدانوں نے ایسے اسٹیم خلیات کو دریافت کرنے کا دعوی کیا ہے، جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے محدود دائرے میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، ان کے ذریعہ انسان کا کوئی بھی مکمل عضو بنایا جاسکتا ہے، اور پھر اس کو اسی شخص یا کسی دوسرے مستحق شخص کے لئے بطور علاج استعمال کیا جاسکتا ہے، ان اسٹیم سیلز میں ترمیم واصلاح کا عمل بھی کیا جاسکتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان کے جسم میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں، اور اس قسم کی تبدیلی کبھی دفع ضرر اور علاج کی غرض سے کی جاتی ہے، اور کبھی تحسین وتزئین کے مقصد سے، مثلاً کسی کے رنگ میں یا قد کے طول وعرض میں تبدیلی کے لئے بھی جین میں ردوبدل کیا جاسکتا ہے، پھر علاج کی غرض سے جن اسٹیم خلیوں کو استعمال کیا جاتا ہے ان کے اندر مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کبھی ان کو کسی مشین میں رکھا جاتا ہے، اور کبھی دوسرے حیوانی جسم میں ڈال کر مطلوبہ اعضاء کو تیار کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر جاننے کے لئے بنیادی طور پر ہمیں دو تین اصولی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

۱۔علاج کے بارے میں شرعی ہدایات:

علاج کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جان کی حفاظت فرض ہے،اوران بنیادی پانچ ضروریات میں سے ایک ہے جن کی حفاظت ہر حال میں واجب ہے،اس لئے اگر علاج نہ ہونے کی صورت میں جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو،یا طبی طور پر اس مرض کے وبائی صورت اختیار کر لینے کا خطرہ ہواور کئی جانیں اس کی وجہ سے خطرہ میں پڑ سکتی ہوں،تو ہر ممکن علاج فرض ہے،شافعیہ اور بعض حنابلہ نے علاج کو بلاقید واجب کہا ہے،اور بعض حنابلہ نے نفع کے غلبہ گمان کی قید لگائی ہے(**فتاوی ابن تیمیہ ۱۴/ ۳۶۹، ۲۱/ ۵۶۴مطبوعہ الریاض ،احیاء علوم الدین ۴/ ۲۷۹مطبوعہ عینی الباکی الحقی ،الآداب الشرعیہ لابن مفلح ۳/ ۳۶۱**).

حنفیہ کے نزدیک اگر علاج سے دفع مرض کا یقین ہو،اوراس کا انتظام بھی ممکن ہوتو علاج فرض ہے اور علاج کو ترک کرنا حرام،ممکنہ علاج ترک کرنا ہرگز توکل نہیں قرار پائے گا،جس طرح کہ بھوک اور پیاس کے وقت کھانا اور پینا فرض ہے اور کھانا پینا ترک کرنا حرام ہے،یہی حکم یقینی شفا کی صورت میں علاج کا بھی ہے،البتہ اگر شفا کا یقین نہ ہو بلکہ گمان ہوتو علاج مستحب ہے،اور اگر گمان غالب بھی نہ ہوتو علاج صرف مباح ہے،جمہور فقہاء کی بھی رائے یہی ہے(**الفواکہ الدوانی ۲/ ۴۴۲،الجامع لاحکام القرآن القرطبی ۱۰/ ۱۹۹،فتاوی ھندیہ ۵/ ۳۵۵**).

اس سلسلہ میں سب سے اہم بنیادشریعت کا یہ اصول ہے،جس سے تمام فقہاء اور علماء نے اتفاق کیا ہے،اور رسول اللہ ﷺ سے منصوص بھی ہے:"**لاضرر ولاضرار**"،(**مؤطا امام مالک کتاب الاقضیۃ ۲/ ۷۶۴،مسند احمد ۱/ ۳۱۳، ۵/ ۲۳۷،ابن ماجہ ۲/ ۷۸۴**).

(اسلام میں نہ خود ضرر اٹھانے کی اجازت ہے اور نہ دوسرے کو ضرر پہنچانے کی)۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے دوااور علاج کی تاکید فرمائی ہے،اوراس کے لئے واضح ہدایات بھی ارشاد فرمائی ہیں،ارشاد نبوی ہے:

"**تداووا فان اللہ تعالی لم یضع داء الا وضع لہ دواء غیر داء واحد الھرم**"،(**ابوداؤد مع عون المعبود ۱۰/ ۲۳۴،ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۶/ ۱۹۰ حسن صحیح**).

(علاج کرواس لئے کہ اللہ تعالی نے کوئی ایسی بیماری نہیں رکھی جس کے لئے دوانہ بنائی ہو،سوائے ایک بیماری

رمضان کی شب اول ہی سے شیاطین قید میں ڈال دیے جاتے ہیں

کے اور وہ ہے بڑھاپا)۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا' ولا تداووبحرام ،،(ابوداؤد مع عون المعبود ۱۰/۳۵۱)۔

(بلاشبہ اللہ نے بیماری اور علاج دونوں کو ہم رشتہ بنایا ہے اور ہر بیماری کی دوا رکھی ہے، پس علاج کرو، مگر حرام ذریعہ سے نہیں)۔

خود حضور ﷺ نے اپنے علاج کے طور پر دوا استعمال فرمائی، آپ ﷺ نے پچھنہ لگوایا، وغیرہ، اگر یہ توکل کے خلاف ہوتا تو آپ سے بڑھ کر توکل علی اللہ کس کو ہوسکتا ہے (ابوداؤد مع عون المعبود ۱۰/۲۳۹، ۳۴۱، ۳۴۹، فتح الباری ۱۰/۱۵۰، ۱۴۷)۔

چونکہ صحابہ بھی علاج ومعالجہ کو بطور ایک سبب اختیار فرماتے تھے، اور مقام وباء سے اجتناب وگریز کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں طاعون کے سلسلے میں ایک بار ہوا، اور اس سلسلہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک حدیث رسول بھی سنائی (بخاری مع فتح الباری ۱۰/۱۷۹، مسلم ۴/۱۷۴۵ حدیث نمبر ۲۲۱۹)۔

غرض علاج ایک سبب ہے جو اللہ کی مرضی سے انسان کے لئے باعث شفا بنتا ہے، البتہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر انسان ایسی حالت میں پہنچ جائے جب اسے شفاء کی قطعی امید نہ ہو اور بیماری مہلک ہو، اور روز بروز ترقی پذیر ہو، تو ایسی صورت میں ترک علاج کی گنجائش ہے (احیاء علوم الدین ۴/۱۷۹)۔

۲۔ غیر فطری طریقہ علاج کی اجازت نہیں:

دوسری اہم ترین بات جس کو یہاں پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام نے علاج کی اجازت دی ہے، اور حالات کے لحاظ سے اس کے لئے مدارج بھی مقرر کئے ہیں، مگر ایسے کسی طریقہ علاج کی قطعی اجازت نہیں دی ہے جو خلاف فطرت ہو جس سے خلقی تبدیلی واقع ہو، مثلاً جنس تبدیل ہو جائے، یا مقررہ طول وعرض متاثر ہو، شکل وصورت اور رنگ وروپ بدل جائے، یا اور کوئی ایسی تبدیلی جو اس شخص کی جسمانی وضع کے خلاف ہو، البتہ ایسی تبدیلی کی گنجائش ہے جو اس کے بقائے صحت کے لئے ضروری ہو، جس سے اس کی جان کی سلامتی

یاعضو کی سلامتی وابستہ ہو، یا کسی عضو کو اپنی اصل حالت پر لانے کے لئے تبدیلی کی جائے، کسی عیب یا زخم کی اصلاح مقصود ہو، وغیرہ، ایسی چند ضروری صورتوں کا استثناء کر کے ایسی تمام صورتیں ناجائز ہیں جن میں اللہ کی خلقت کی تبدیلی لازم آئے یا یہ کہ محض تحسین وتزئین کے لئے کسی عضو میں تبدیلی کی جائے۔

جدید وقدیم تمام علماء وفقہاء غیر فطری تبدیلیوں کے عدم جواز پر متفق ہیں، قرآن وحدیث کے متعدد نصوص میں اس کی ممانعت آئی ہے، ارشاد ربانی ہے:

"فلیغیرن خلق اللہ ومن یتخذالشیطان ولیامن دون اللہ فقد خسر خسرانامبینا"، (سورۂ نساء :۱۱۹)۔

(پس یہ بدلیں اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں، اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا وہ کھلے نقصان میں پڑ جائے گا)۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

"فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون"، (سورۂ روم:۳۰)۔

(دین کی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ، اللہ کی فطرت کے مطابق جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہ سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں)۔

۱۔ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کے دین میں تبدیلی ہے، یعنی اللہ نے ہر بچہ کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے اس کو تبدیل کرنے کی مذمت کی گئی ہے، اور حرام کو حلال کرنا، اور حلال کو حرام کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

حضرت سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، مجاہد، سدی، نخعی اور قتادہ کی رائے یہی ہے۔

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی ظاہری شکل وصورت کو بدلنا مراد ہے، مثلاً کسی کا ہاتھ پاؤں کاٹنا، خصی کرنا، خنثی بنانا، بال میں بال جوڑنا وغیرہ (تفسیر کبیر للرازی ۱۱/ ۴۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں تبدیلی دین یا تبدیل شریعت مراد ہے، اور دوسری آیت میں تغییر شکل وہیئت مراد ہے (المحرر الوجیز لابن عطیہ مطبوعہ قطر ۴/ ۱۳۲)۔

امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے: "باب المتفلجات للحسن"، اس کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے:

''لعن الله الواشمات، والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله تعالى، مالي لا العن من لعن النبي ﷺ. وهو في كتاب الله، وما اتاكم الرسول فخذوه ومانها كم عنه فانتهوا''، (صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۲/ ۴۹۴، ۴۹۵)۔

(اللہ کی لعنت ہو بدن میں سوئی گودنے اور گودوانے والیوں پر، اور چہرہ اور ابرو وغیرہ کے بال کٹوانے والیوں پر، اور خوبصورتی کی وجہ سے دانتوں کے بیچ کھودوانے والیوں پر، یہ سب اللہ کی خلقت کو بدلنے والیاں ہیں، میں ان عورتوں پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جن پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اور یہ بات قرآن میں موجود ہے: ''ما اتاکم الآیۃ''، یعنی جو چیز اللہ کے رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ)۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت ایسی تبدیلی پر ہے جو بغرض حسن ونمائش کی جائے، لیکن اگر علاج کے لئے اس کی ضرورت ہو تو جائز ہے، یا عورت کے چہرہ پر کوئی ایسی غیر موزوں چیز نکل آئے جو تکلیف دہ ہو اور عام طور پر عورتوں کو نہیں نکلتی ہو تو اس کو صاف کرنا بھی تغییر خلق اللہ میں داخل نہ ہوگا، مثلاً عورت کو داڑھی یا مونچھ کے مقام پر بال نکل آئے وغیرہ (فتح الباری شرح البخاری ۱۲/ ۴۹۴، ۴۹۵)، علامہ نوویؒ نے بھی شرح مسلم میں یہی بات لکھی ہے (صحیح مسلم شرح النووی ۱۴/ ۱۰۶)۔

۳۔ علاج کے لئے مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت ضروری ہے:

اسی طرح جنیٹک علاج میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جس پر تقریبا تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ کوئی بھی عمل مریض کی اجازت کے بغیر نہ ہو، اور اگر وہ اس لائق نہ ہو تو اس کے اولیاء سے ضرور اس عمل کی اجازت حاصل کی جائے، ورنہ ڈاکٹر گنہگار ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی مخلص اور ماہر فن کیوں نہ ہو، اور اگر اس علاج سے مریض کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کا ضمان بھی اس پر ہوگا، مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے (دیکھئے: روضۃ الطالبین ۹/ ۱۸، الفتاوی الہندیہ ۴/ ۴۱۹، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۹۶، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۵۵، الانصاف ۶/ ۷۵، منار السبیل ۱/ ۴۲۲)۔

ابن حزمؒ ظاہریؒ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک اگر ڈاکٹر ماہر ہو تو ضمان نہ ہوگا (المحلی ۱۰/ ۴۴۴)۔

مگر جمہور کی رائے کرامت انسانی، حقوق انسانی، اور مقاصد شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہے اور اس کی تائید اس

خون دینے یا خون اور گلوکوز چڑھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

روایت سے بھی ہوتی ہے، جو بخاری ومسلم میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

’’لددناہ فی مرضہ فجعل یشیر الینا ان لاتلدونی فقلنا کراھیة المریض للدواء فلما افاق قال: الم انھکم ان تلدونی؟قلنا کراھیة المریض للدواء،فقال: لایبقی فی البیت احد الالدوانا انظر لاالعباس فانہ لم یشھد کم،، (صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۰/ ۱۶۶ کتاب الطب)۔

(ہم نے حضور ﷺ کو مرض کی حالت میں دوا پلائی تو آپ نے اشارہ سے ہمیں منع فرمایا، مگر ہم نے اس کو اس ناپسندیدگی پر محمول کیا جو عام طور پر بیماروں کو دوا سے ہوتی ہے، مگر جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا یہ میرے منع کرنے کے باوجود تم لوگوں نے مجھے دوا کیوں پلائی؟ ہم نے عرض کیا کہ اس کو ہم نے اس ناگواری پر محمول کیا جو عام طور پر بیمار کو دوا سے ہوجاتی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گھر میں کوئی ایسا نہ بچے جسے دوا نہ پلائی جائے، چنانچہ حضرت عباسؓ کو چھوڑ کر سب کو دوا پلائی گئی، حضرت عباسؓ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے)۔

روایت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ مریض کی اجازت کا بہر حال لحاظ ضروری ہے، اس سے صرف بعض حالات کا استثناء کیا جاسکتا ہے، مثلا

۱۔ایسی صورت جس میں مرض سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہو، مثلا متعدی امراض، ایسی صورت میں مریض کی رائے سے اتفاق کرنا ضروری ہے، بلکہ حکومت کے محکمہ صحت کے مشورہ سے مریض پر علاج کا عمل کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ایسے ہنگامی نوعیت کے کیس جن میں مریض سے اجازت لینے کا کوئی موقعہ نہ ہو، اور اس کی جان بچانے کے لئے فوری کارروائی ضروری ہو، تو بھی بلا اجازت مریض کا علاج کرنا درست ہوگا، وغیرہ۔

مجمع الفقہی الاسلامی جدہ نے بھی اپنے چوتھے سمینار میں چند صورتوں کا استثناء کرکے مریض کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے (قرار مجمع الفقہی الاسلامی ۴/ ۵۸،۸۸)۔

۴۔مقاصد، وسائل اور نتائج کا اعتبار:

اسی طرح اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شریعت نے کن مقاصد کا اعتبار کیا ہے اور ان کے لئے وسائل کا کیا معیار مقرر کیا ہے اور شریعت ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔

شریعت کے تمام احکام میں مصالح کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، خواہ ان مصالح کا تعلق ضرورت سے ہو یا حاجت

البتہ اسے مکروہ کہا گیا ہے

سے یا تحسین سے، اسی طرح شریعت میں مصالح ومفاسد کے موازنہ پر بھی کافی زور دیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں متعدد قواعد معروف ہیں، مثلاً:

۔دفع مفسدہ، جلب مصلحت سے مقدم ہے۔

۔بڑے ضرر کو دور کرنے کے لئے چھوٹے ضرر کو گوارہ کیا جاسکتا ہے۔

۔ضرر کو دور کیا جائے گا۔

۔ضرر کو اسی درجہ کے ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا۔

۔ضرورت کی بنا پر بعض ممنوعات کی گنجائش ہوجاتی ہے۔

۔ضرورت کا اعتبار صرف بقدر ضرورت ہی کیا جائے گا۔

۔ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارا کیا جاسکتا ہے۔

۔ضرر اشد کو ضرر اخف کے ذریعہ دور کیا جائے گا۔

۔ضرر کا دفعیہ ممکن حد تک کیا جائے گا۔

۔کبھی حاجت ضرورت کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔

۔اضطرار سے کسی کا حق باطل نہیں ہوسکتا۔

۔جہاں مشقت ہوگی وہاں آسانی بھی ہوگی۔

۔جب مشکل پیش آتی ہے تو وہاں معاملہ میں گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔

۔نہ کسی کو ضرر پہنچانا درست ہے اور نہ خود ضرر اٹھانا، وغیرہ۔

۔جب دو مفسدوں میں ٹکراؤ ہوجائے تو بڑے مفسدے کی رعایت کی جائے گی۔

۔ہمیشہ ہلکے ضرر کو گوارہ کیا جائے گا (مجلۃ الاحکام العدایۃ، قواعد الفقہ وغیرہ)۔

وسائل کے بارے میں شریعت کا موقف یہ ہے کہ جائز وسائل ہی سے جائز مقاصد کی تحصیل ہوسکتی ہے، ناجائز وسیلہ ناجائز ہے، خواہ اس کے مقاصد کتنے ہی اچھے ہوں، ناجائز تک پہنچانے والا ذریعہ بھی ناجائز ہے، جس کو فقہا سد الذرائع کہتے ہیں، البتہ علاج کی ضرورت یا اور کوئی شدید مشقت سے بچنے کے لئے ناجائز وسیلہ کی گنجائش ہے (الموافقات للشاطبی ۴/۵۵۶)۔

علامہ ابن قیمؒ نے سد ذرائع کو ربع دین قرار دیا ہے (اعلام الموقعین ۳/۱۳۴، ۱۵۹، مطبوعہ الفقہ الجدیدۃ

القاہرہ)۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ نتائج پر خاص دھیان دیتی ہے، کسی بھی کام کی اجازت بہتر نتائج ہی کے لئے ممکن ہے (الموافقات ۴/۵۵۲، ۵۵۳)۔

۵۔ حیوانات میں افزائش نسل کا شرعی معیار:

جنیٹک تحقیقات کا ایک بڑا میدان عمل انسانوں اور حیوانوں میں جنسی تصرفات اور افزائش نسل کی جدوجہد ہے، اس لئے اس سلسلے میں شریعت کا عمومی نقطہ نظر مستحضر رہنا ضروری ہے۔

۱۔ کوئی ایسا عمل جس میں انسان کی قوت تولید ختم ہو جائے جائز نہیں ہے، صریح طور پر یہ تغییر خلق اللہ ہے جو حرام ہے، حضور اکرم ﷺ نے انسانوں کو خصی کرنے سے منع فرمایا، اور تکثیر نسل کے لئے نکاح کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح تمام علماء نے متفقہ طور پر بلا قید وشرط اس کو حرام قرار دیا ہے (تفسیر قرطبی ۵/۲۹۱)۔

۲۔ جانوروں کے اعضاء میں بھی بلا ضرورت قطع وبرید حرام ہے، اور تغییر خلق اللہ کا مصداق ہے (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۵/۳۸۹)۔

البتہ جانوروں کو خصی کرنے کے سلسلے میں فقہاء کے یہاں دو قول پائے جاتے ہیں:

الف۔ منفعت مقصود ہو تو رخصت ہے، مثلاً جانور کو موٹا کرنا، یا اس کے گوشت کی لذت بڑھانی ہو وغیرہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، عروہ بن زبیر، امام مالک وغیرہ کی رائے فی الجملہ طور پر یہی ہے (تفسیر قرطبی ۶/۲۹۰)۔

ب۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابن المنذر اور امام اوزاعیؒ کی رائے یہی ہے۔

۳۔ جانوروں میں نسلی عمل کے ذیل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ دو مختلف الجنس جانوروں کے جنسی اتصال سے کوئی نئی مخلوق حاصل کی جائے، مثلاً گھوڑا اور گدھی کے ملاپ سے ایک تیسرے جانور کی پیدائش ہو، تو اس تعلق سے بھی فقہاء کے یہاں دو قسم کی رائے پائی جاتی ہے:

الف۔ کوئی مضائقہ نہیں، اور دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے خچر پر سواری فرمائی، اگر ناجائز یا مکروہ ہوتا تو آپ ﷺ سواری نہ فرماتے۔

ب۔ دوسری رائے کراہت کی ہے، اور اس کی دلیل ابوداؤد میں ایک روایت ہے جو حضرت علیؓ سے منقول

ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ایک خچر ہدیہ میں پیش کیا، تو آپ ﷺ نے اس پر سواری فرمائی، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ہم لوگ بھی گھوڑے اور گدھی کا ملاپ کرائیں تو ایسی نسل حاصل کر سکتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے نہیں ہیں (ابوداؤد: باب من کراہیۃ الحمر تنزو مع الخیل)۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑے جن بلند مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان میں خچر استعمال نہیں ہو سکتے، اور اس طرح کے عمل سے گھوڑے کی نسل گھٹ جائے گی، اور خچر کی نسل بڑھ جائے گی، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا (النہایۃ فی غریب الحدیث وللاثر بحوالہ الوراثۃ والہندسۃ للدکتور عبداللہ/۷۵۴)۔

جینیٹک علاج کے کچھ ضابطے:

مذکورہ بالا مباحث سے جینیٹک علاج کے کچھ حدود وضوابط سامنے آتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا بہر حال ضروری ہے، وہ ضوابط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تحقیقات اور معالجہ میں ہر طرح کی علمی اور فنی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہو، اور کسی قسم کی کوتاہی اور لاپرواہی نہ برتی گئی ہو۔

۲۔ جلب مصلحت اور دفع مضرت پیش نظر ہو، محض تسکین شوق مقصود نہ ہو۔

۳۔ مطلوبہ فوائد کے حاصل ہونے کا غالب گمان ہو، محض موہوم مصالح کے لئے جینیٹک علاج کی اجازت نہیں ہے۔

۴۔ علاج کے نتائج قابل اطمینان ہوں، اس سے کسی بڑے ضرر کا اندیشہ نہ ہو، اور اس کے برے اثرات بدن، عقل، نسل یا نسب پر نہ پڑتے ہوں۔

۵۔ علاج کا عمل نیک مقصد کے لئے کیا جائے، بلاوجہ یا محض قدرت علم کے اظہار کے لئے کسی انسان کو جینیٹک عمل کا نشانہ بنانا درست نہیں۔

۶۔ اس سے تغییر خلق اللہ نہ لازم آتی ہو۔

۷۔ علاج میں جائز مواد اور وسائل کا استعمال کیا گیا ہو، ناجائز مواد یا ذرائع کا استعمال درست نہیں، البتہ حالت ضرورت میں بقدر ضرورت کا استثناء ہے۔

حاملہ خواتین کو روزہ میں وقت: ہو یا جنین کو خطرہ لاحق ہو تو روزے

۸۔حد اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو، مالی اخراجات اسراف وتبذیر کے حدود میں نہ داخل ہوں۔

۹۔علاج کے عمل سے سوسائٹی یا جماعت کو ضرر نہ پہنچے، یا اس سے جانوروں کو اذیت نہ ہوتی ہو۔

۱۰۔انسان پر کوئی بھی جینیٹک عمل جاری کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ جانور پر اس کی کامیابی کا پوری حد تک تجربہ نہ کرلیا گیا ہو۔

۱۱۔اس عمل سے جڑے ہوئے لوگ تجربہ کار، ماہر، مخلص، اور اس فن کے اسپیشلسٹ ہوں۔

۱۲۔اور تمام تر کارروائی کسی حکومت، یا معتبر ادارہ کی نگرانی میں انجام دی جائے، جینیٹک عمل کے جواز کے لئے مذکورہ بالا حدود کی رعایت لازم ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی رابطہ عالم اسلامی نے بھی اپنے پندرہویں فقہی سمینار (منعقدہ ۱۱/رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۸ء مکہ مکرمہ) میں تقریبا انہی شرائط وضوابط کے ساتھ جینیٹک عمل سے استفادہ کے جواز کی قرارداد منظور کی ہے (العلاج الجینی لعلی محی الدین القرۃ داغی/۱۹۸، ۱۹۹)۔

ان ضوابط کی روشنی میں اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات ذیل میں پیش ہیں:

ا۔جینی اسٹیم سیل کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اپنے محدود دائرے میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، مگر شرعی اور اصطلاحی طور پر اسے ذی روح اور زندہ وجود کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا، اور اس کے ضائع کرنے پر کوئی شرعی ضمان واجب نہ ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ بلاضرورت اس کا ضائع کرنا درست نہیں ہے اور اس پر گناہ ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کا نقطہ نظر یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ چالیس یوم سے قبل، اور حنفیہ کے نزدیک ۲۰ دن سے قبل کسی عذر کے بنا پر اسقاط حمل کی اجازت ہے، مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اور اس مدت میں حمل ضائع کردینے پر غرہ یا تاوان واجب نہیں ہوتا، اگر اس کو اصطلاحی طور پر زندہ وجود مان لیا گیا ہوتا تو اس کے قتل وضیاع کی اجازت نہ دی جاتی۔

دراصل زندگی تو ہر شئی میں فی الجملہ موجود ہے، مگر اصطلاح میں جس زندگی کے قتل وضیاع پر حکم شرعی مرتب ہوتا ہے، اس کا مخصوص معیار ہے، اس لئے ہر وہ چیز جس میں سائنس فی الجملہ زندگی کے آثار کا پتہ چلائے اس پر اصطلاحی زندگی کے احکام مرتب نہ ہوں گے۔

خود امام مالکؒ جو استقرار کے بعد اسقاط حمل کو ناجائز کہتے ہیں، ان کے نزدیک بھی اس قسم کے حمل کے ضیاع

پر ضمان واجب نہیں ہوتا، ان کی ساری گفتگو گناہ کی حد تک ہے۔

۲۔رحم مادر میں پرورش پانے والے یا اسقاط شدہ جنین سے اسٹیم سیل لے کر خود اسی انسان کے علاج کے لئے محفوظ کیا جاسکتا ہے، یا پھر اس کی اجازت سے (اہلیت اجازت کی صورت میں) کسی دوسرے شخص کو بھی بوقت ضرورت دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس دوسرے شخص کا جسم اس عضو کو قبول کر سکے، اور اس کے لئے باعث نقصان نہ ہو، نیز اس شخص کی اپنی ضرورت سے زائد ہو، اور اس کے بدلے کوئی قیمت وصول نہ کی گئی ہو، اور ان حدود میں رہ کر کی گئی ہو جن کا ذکر ضوابط کے ذیل میں اوپر کیا گیا ہے۔

۳۔انسان کا اسٹیم سیل کسی حیوان کے جسم میں ڈال کر مطلوبہ عضو تیار کرنا درست ہے، بشرطیکہ حیوان حلال ہو، اور ماہر ڈاکٹروں نے اس کی ضرورت تجویز کی ہو۔

۴۔اسٹیم سیل کے حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ نافہ آنول نال بھی ہے، اگر اس نال کے خون سے سیلس لئے جائیں اور ان کو مستقبل کے لئے محفوظ کر دیا جائے تو کسی نازک موقع پر وہ اس کے کام آسکتا ہے، عام طور پر یہ نال جب کاٹی جاتی ہے تو اس میں موجود خون کو نومولود کے جسم میں پہنچا دیا جاتا ہے اور نال باندھ دی جاتی ہے ،اگر سیلس حاصل کرنا ہو تو نال کے حصے میں جو خون ہے اسے باہر نکال لیا جائے گا، اس خون کے لینے کی وجہ سے کسی مرض یا خطرہ کا امکان ایک فی صد سے بھی کم ہے، یہ صورت درست معلوم پڑتی ہے، بشرطیکہ تمام تر کارروائی بچہ کے فائدہ کے لئے کی جائے۔

۵۔جینی اسٹیم سیل مردوں تو بالغوں سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی نشوونما میں دشواریاں ہیں، اس پس منظر میں ٹسٹ ٹیوب کے ذریعہ حمل کے استقرار اور اس کی ابتدائی نشوونما کے جدید طریقے کو اختیار کرنے کی صورت اگر میاں بیوی کی اجازت سے سیلس حاصل کر لئے جائیں اور ان کو انسانی عضو تیار کرنے میں استعمال کیا جائے تو ایسا کرنا بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ اطمینان کر لیا گیا ہو کہ سیلس میاں بیوی ہی کے حمل سے لیا گیا ہے، کسی اجنبی نطفہ سے نہیں، اگر اس اطمینان کی کوئی صورت نہ ہو تو یہ طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے نسل اور نسب کے نظام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔

.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....